29

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچانا ہمارا نصب العین ہونا چاہیے

(فرمودہ 25 /اکتوبر 1957ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیت قرآنیہ کی تلاوت فرمائی:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۔1

اس کے بعد فرمایا:

''اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پہلے تو مسلمانوں کو اس طرف توجہ دلائی ہے کہ تمہارا اور عیسائیوں کا کوئی جوڑ نہیں۔ تمہاری طرف رسول بھیجا گیا ہے جو مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ہے۔ یعنی وہ تمہارے جیسا ہی ہے۔ اس لیے تم کبھی اپنے دل میں یہ خیال بھی نہ لاؤ کہ ہم اس کی نقل نہیں کر سکتے۔ وہی جذبات اس کے دل میں ہیں جو تمہارے دلوں میں ہیں۔ وہی خواہشات اس کے دل میں ہیں جو تمہارے دلوں میں ہیں۔ اُسی قسم کے ارادے اور اُسی کام کرنے کی خواہش اس کے دل میں پیدا ہوتی ہے جیسی تمہارے دلوں میں پیدا ہوتی ہے۔ لیکن ایک عیسائی کے لیے قدم قدم پر مشکل ہے۔

جب اس سے کہا جائے کہ وہ مسیح علیہ السلام کی طرح کوئی نیک کام کرے تو وہ فوراً رُک جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تو یہ کر ہی نہیں سکتا کیونکہ جس کی نقل کرنے کے لیے مجھے کہا گیا ہے وہ خدا تعالیٰ کا بیٹا ہے اور میں بندہ ہوں۔ اور پھر میں ایک ایسے آدمی کی اولاد ہوں جس سے ورثہ میں مجھے گناہ ملا ہے۔ یعنی میرے عقیدہ کے مطابق آدم بھی گنہگار تھے۔ اُن کی اولاد بھی گنہگار رہے۔ پھر میں کیسے نیکی کر سکتا ہوں؟ تو دیکھو کتنا بڑا فرق ہے ایک مسلمان اور ایک عیسائی میں؟ ایک مسلمان تو ہر نیکی کے بعد خوش ہوتا ہے کہ میں نے نیکی کی اور وہ سمجھتا ہے کہ میں اس لیے بھی نیکی کے قابل ہوں کہ خدا تعالیٰ نے پیدائش سے میری فطرت میں پاکیزگی رکھی ہے اور اس لیے بھی نیکی کے قابل ہوں کہ جس کی نقل کرنے کا مجھے حکم دیا گیا ہے وہ میرے جیسا ہی ایک انسان ہے۔ پس اپنے متبوع کے لحاظ سے بھی یعنی جس کی میں نے نقل کرنی ہے میں اِس قابل ہوں کہ اس کی نقل کر سکوں۔ اور اِس لحاظ سے بھی میں قابل ہوں کہ میرے اندر ذاتی قابلیت پائی جاتی ہے۔ لیکن ایک عیسائی جانتا ہے کہ جہاں تک قابلیت کا سوال ہے میں نیکی کے ناقابل ہوں۔ اور جہاں تک نقل کا سوال ہے میرے لیے یہ بھی ناممکن ہے کیونکہ جس کی نقل کرنے کے لیے مجھے کہا گیا ہے وہ خدا کا بیٹا ہے۔ غرض وہ دونوں طرح نیکی سے محروم رہتا ہے اور مسلمان دونوں طرح نیکی سے محروم نہیں بلکہ نیکی کے قابل ہے اور اس پر قادر ہے۔

پھر اس آیت میں اللہ تعالیٰ اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ ۔ تمہارا کسی تکلیف میں مبتلا ہونا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نہایت شاق گزرتا ہے۔ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ جب انسان کو کسی کے متعلق یہ معلوم ہو کہ وہ اس کی خاطر بہت تکلیف اُٹھا رہا ہے تو وہ اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہے اور اس کی قدر اور عظمت اس کے دل میں پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اس کی مدد کے لیے انتہائی جوش کے ساتھ کھڑا ہو جاتا ہے۔ یہی کیفیت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہمارے دلوں میں پیدا ہونی چاہیے اور آپ کی مدد کو ہمیں اپنا نصب العین بنالینا چاہیے۔ جس کا صحیح طریق یہ ہے کہ آپ کے دین کی اشاعت کی جائے اور آپ جس پیغام کو دنیا تک پہنچانا چاہتے تھے اُسے دنیا کے کونے کونے تک پہنچایا جائے۔

اِسی مضمون کو دوسری جگہ قرآن کریم میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۔[2] یعنی جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دیکھتے ہیں

کہ لوگ خدا تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے تو انہیں اتنا درد ہوتا ہے کہ جیسے کسی کی گردن پر چُھری رکھ کر اسے دوسرے سرے تک لے جائیں۔ یا جیسے کسی بکرے کی گردن پر چُھری رکھ کر اسے اتنے زور سے چلائیں کہ اُس کی گردن کا پچھلا حصہ بھی کٹ جائے۔ یہی بَخَعْ کے معنے ہوتے ہیں۔ غرض فرماتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر تمہارا دکھ اتنا گراں گزرتا ہے کہ اس کی زندگی اس پر حرام ہو جاتی ہے۔ اور جس شخص کی زندگی محض ہماری تکلیف کی وجہ سے حرام ہو جاتی ہو ہمیں کیوں نہ جوش آئے گا اور ہم اس کی خاطر ہر قسم کی تکالیف برداشت کریں۔ پھر وہ کوئی بُری بات بتاتا تب بھی کوئی بات تھی۔ وہ تو ہمیں یہ کہتا ہے کہ دنیا میں سچائی پھیلاؤ۔ وہ تو ہمیں یہ کہتا ہے کہ امن اور راستی کے ساتھ دنیا کے ساتھ دنیا میں رہو۔ پس اُس کی خاطر تکلیف اٹھانا تو ایسی چیز ہے جو خود ہمیں فائدہ اٹھانے والی بات ہے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ہماری خاطر اتنی تکلیف اٹھاتا ہے کہ اپنی جان کو ہلاکت کے قریب پہنچا دیتا ہے تو ہمیں کیوں نہ احساس ہوگا کہ ایسے محسن اور محبت کرنے والے انسان کے لیے اَور زیادہ قربانی کریں۔ یہاں تک کہ دنیا میں صداقت ہی صداقت پھیلتی چلی جائے۔ لیکن افسوس ہے کہ اکثر مسلمان اِس بات سے غافل ہیں۔ بس اپنے کاموں میں لگے رہتے ہیں لیکن خدا کے کام کو کوئی نہیں کرتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِسی بات کو ایک جگہ یوں بیان فرمایا ہے کہ

بیکسے شد دینِ احمد ہیچ خویش و یار نیست

ہر کسے در کارِ خود با دینِ احمد کار نیست 3

یعنی ہر شخص اپنے کام میں مشغول ہے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی اشاعت کا اسے کوئی فکر نہیں۔ اِس شعر میں اِسی آیت کا نقشہ کھینچا گیا ہے جس کی میں نے ابھی تلاوت کی ہے اور بتایا ہے کہ چاہیے تو یہ تھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا خیر خواہ دیکھ کر کہ ہماری ذرا سی تکلیف پر بھی ان کی جان گھٹنے لگ جاتی ہے اور مرنے کے قریب پہنچ جاتے ہیں مسلمان اپنی ساری زندگی اُن کے دین کی اشاعت میں صَرف کر دیتے۔ لیکن بجائے اپنی ساری زندگی اِس کام میں لگانے کے وہ ایسے کاموں میں پڑ گئے ہیں جو سراسر دنیوی ہیں اور اُن کا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے کوئی واسطہ نہیں۔ حالانکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو ہم پر احسانات ہیں اُن کے مقابلہ میں بادشاہوں کے احسانات بھی بے حقیقت ہیں۔

محمود غزنوی اور ایاز کا واقعہ بڑا مشہور ہے۔ تاریخوں میں لکھا ہے کہ محمود جو کچھ آپ کھاتا تھا وہ ایاز کے لیے بھی بھجواتا تھا۔ اور جب کوئی اچھا کپڑا آتا تھا تو کہتا تھا جاؤ یہ ایاز کو دے آؤ۔ دوسرے درباریوں کو محمود کا یہ فعل بُرا لگتا تھا۔ ایک دن سب درباریوں نے مل کر کہا کہ حضور! آپ تو اُس کی اتنی خاطر کرتے ہیں لیکن وہ آپ کا خزانہ چُرا چُرا کر گھر لے جاتا ہے۔ ایاز جرنیل بھی تھا اور خزانہ کا افسر بھی تھا۔ محمود نے کہا میں ہرگز نہیں مان سکتا۔ درباریوں نے کہا حضور! آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ چنانچہ محمود ایک دن آدھی رات کو خزانہ میں گیا اور اس نے پہرہ داروں سے کہا کہ خبردار! اگر کسی کو میرے آنے کا پتا لگا۔ ورنہ میں تمہیں سخت سزا دوں گا۔ پھر خزانہ کے محافظ سے کُنجی لے لی اور اُسے کہا کہ تم اِس وقت چلے جاؤ تھوڑی دیر کے بعد آنا۔ اور خود تالہ کھول کر اندر چلا گیا۔ اندر دوسرا دروازہ تھا اُس کو کھولا۔ پھر تیسرے دروازہ کو کھولا۔ جب اندر پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایاز موجود ہے۔ اُس کے دل میں خیال آیا کہ ضرور چور ہے۔ آخر آدھی رات کو یہاں اِس کا کیا کام ہے؟ پھر اُس نے دیکھا کہ ایاز اُٹھا اور اس نے خزانہ کا جو صندوق تھا اور اُس میں ہیرے اور جواہرات رکھے جاتے تھے اُس کا تالا کھولا۔ پھر اس کا دوسرا تالا کھولا، پھر تیسرا تالا کھولا۔ پھر اُس کے اندر سے ایک چھوٹا سا بکس نکالا جس میں ہیرے اور جواہرات تھے۔ اب تو محمود کو بالکل یقین ہو گیا اور دل میں کہنے لگا میں نے بڑی بیوقوفی کی کہ ایسے شخص کو اپنا درباری مقرر کیا۔ یہ ایک غلام تھا جسے میں نے غلطی سے اِتنی عزت دے دی۔ اس کے بعد ایاز نے ایک اَور بکس اندر سے نکالا اور اُس بکس کو کھولا تو اُس کے اندر سے نہایت سڑے ہوئے چیتھڑے نکلے۔ اُس وقت ایاز نے اپنا شاہی لباس اُتارا اور وہ چیتھڑے پہن لیے۔ پھر وضو کیا اور نماز کے لیے کھڑا ہو گیا اور نماز میں خدا تعالیٰ کو مخاطب کر کے اور رو رو کر دعا کرنے لگا کہ الٰہی! میں اِس شہر میں اِن چیتھڑوں میں داخل ہوا تھا۔ یہ محض تیرا ہی احسان ہے کہ اِن چیتھڑوں سے ترقی کر کے تُو نے مجھے جرنیل اور درباری بنا دیا۔ اگر تیرا فضل نہ ہوتا تو میرا یہ اعزاز کیسے ہوتا؟ اور میں اِس کا کب مستحق تھا؟ یہ سب تیرا ہی فضل ہے۔ جب محمود نے یہ سنا تو اُس نے اُٹھ کر ایاز کو گلے لگا لیا اور کہنے لگا میری بدگمانی معاف کرنا۔ مجھے پتا نہیں تھا کہ تم ایسا اچھا کام کر رہے ہو؟ مجھے لوگوں نے تمہارے متعلق بدگمان کر دیا تھا۔ میری بدگمانی معاف کر دو۔ اب مجھے پتا لگ گیا ہے کہ تم کیسے نیک آدمی ہو۔ یہ کہہ کر باہر چلا گیا اور باہر جا کر باقی سب درباریوں کو جھٹلایا۔

اب دیکھو! ایاز نے محمود کی کتنی خدمت کی تھی مگر اس نے اُتنی تکلیف نہیں اٹھائی تھی جتنی ہماری خاطر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھائی تھی۔ یہاں تک کہ آپ کی ایک بیوی کہتی ہیں کہ آپ رات کو امت کے لیے اتنی دعائیں کرتے تھے اور اتنی دیر نماز میں کھڑے رہتے تھے کہ آپ کے پاؤں سوج جاتے تھے۔ میں نے کہا یَا رَسُولَ اللّٰہ ! آپ اتنی تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں؟ آپ کو تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آپ کے اگلے اور پچھلے سب گناہ معاف ہوگئے ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر میرے اگلے اور پچھلے سب گناہ خدا تعالیٰ نے معاف کر دیئے ہیں تو کیا میرا حق نہیں کہ اُس کے احسان کا شکر ادا کروں۔4

ایاز کی خدمتیں لی جائیں تو وہ صرف چند نکلیں گی جو مشہور اور تاریخی ہیں۔ مثلاً جب ہندوستان سے محمود واپس جا رہا تھا تو ایک جگہ اس نے ایک پہاڑ کی طرف دیکھا۔ اس پر ایاز نے جھٹ اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اُس طرف بھاگ گیا۔ دوسرے درباری ایاز پر حسد کرتے تھے۔ انہوں نے کہا دیکھیے ! ایسے نازک موقع پر ایاز نے غداری کی ہے اور وہ محمود کو چھوڑ کر چلا گیا۔ حالانکہ یہ درّہ خطرناک تھا۔ اُسے چاہیے تھا کہ وہ یہاں رہتا۔ ہم پہلے ہی کہتے تھے کہ ایاز غدار ہے۔ اب دیکھ لیجیے! ایسے نازک موقع پر وہ آپ کو چھوڑ کر بھاگ گیا ہے۔ محمود نے اِس بات کو سنا تو کہنے لگا تمہیں پتا نہیں۔ میں ایاز کو جانتا ہوں۔ ایاز کوئی بات بِلا وجہ نہیں کیا کرتا۔ واپس آنے پر جب میں اُس سے پوچھوں گا تو پتا لگ جائے گا کہ اُس کے اُس طرف جانے کی کیا وجہ تھی۔ چنانچہ جب ایاز واپس آیا تو بادشاہ نے پوچھا تم کیوں مجھے چھوڑ کر بھاگ گئے تھے؟ یہ تو خطرہ کا وقت تھا؟ کہنے لگا حضور! میں نے یہ سمجھا تھا کہ محمود کوئی بات بِلا وجہ نہیں کرسکتا۔ یہ بڑا عقلمند آدمی ہے۔ اُس نے پہاڑ کی طرف دیکھا ہے تو ضرور وہاں کچھ ہو گا۔ چنانچہ میں اپنے ساتھیوں کو لے کر وہاں پہنچا تو وہاں میں نے دیکھا کہ کچھ ہندو جرنیل اپنی سواریاں لے کر حملہ کرنے کے لیے بیٹھے ہیں تا کہ جونہی بادشاہ پہاڑی کے پاس پہنچے وہ اوپر سے پتھر دھکیل دیں۔ بادشاہ نے مُڑ کر اپنے ساتھیوں سے کہا دیکھو! کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ یہ شخص مجھ سے اتنی محبت رکھتا ہے کہ میری ہر حرکت کا خیال رکھتا ہے۔ اس نے محض میرے دیکھنے سے معلوم کر لیا کہ ضرور وہاں کچھ ہوگا۔ لیکن تم کو پتا نہیں لگا۔ یہ اِس بات کا ثبوت ہے کہ یہ میرے ساتھ بہت محبت کرتا ہے اور تمہاری میرے ساتھ اتنی محبت نہیں۔

تو تاریخوں میں ایاز کے اس قسم کے صرف چند واقعات آتے ہیں مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو دیکھیں تو وہ اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ جس کی مثال دنیا میں کہیں نظر نہیں آ سکتی۔ مثلاً رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک دفعہ مدینہ میں رات کو شور کی آواز سنائی دی۔ اُن دنوں مشہور تھا کہ قیصر اپنی فوجوں سمیت مدینہ پر حملہ کرنے والا ہے۔ قیصر کی بادشاہت اُن دنوں ایسی ہی تھی جیسے آجکل روس اور امریکہ کی ہے۔ صحابہ دوڑ کے مسجد میں جمع ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد پتا لگا کہ کوئی سوار اس طرف سے آ رہا ہے جدھر سے شور کی آواز آئی تھی صحابہ باہر گئے تو دیکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے پر سوار تشریف لا رہے ہیں5۔ آپ ایک مخلص آدمی کا گھوڑا لے گئے تھے۔ جب آپ واپس آئے تو فرمایا تم لوگ یہاں کیوں جمع ہو؟ صحابہ کہنے لگے یَارَسُوْلَ اللّٰہ! ہم نے کھڑکے کی آواز سنی تھی۔ اِس پر کچھ لوگ تو اپنے گھروں میں چلے گئے اور کچھ مسجد میں جمع ہو گئے تاکہ اکٹھے ہو کر دشمن کا مقابلہ کر سکیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ مسجد میں جمع ہوئے ہیں انہوں نے درست کیا۔ ہمیشہ یہی طریق ہونا چاہیے کہ اگر کبھی خطرہ کا وقت ہو تو مسجد میں جمع ہو جایا کرو اور وہاں اکٹھے ہو کر دشمن کا مقابلہ کرنے کی تدبیر کیا کرو۔

اب دیکھو! کہ سارے مسلمان مسجد میں اکٹھے ہو کر انتظار کر رہے تھے مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے رات کو گئے اور واپس آئے تو فرمایا میں خبر لینے گیا تھا کہ کہیں قیصر کا لشکر تو نہیں آ رہا۔ غرض آدھی رات کے وقت بیس ہزار آدمی کے مقابلہ کے لیے اکیلے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلے گئے۔ محض اِس لیے کہ اُن کی امت پر کوئی اچانک حملہ نہ کر دے۔ بھلا اِس کے مقابلہ میں ایاز کی جو قربانی تھی وہ ہے ہی کیا چیز! اِسی طرح غزوہ احزاب کے موقع پر لوگوں نے کہا کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہ! یہودیوں نے کافروں سے معاہدہ کر کے ارادہ کر لیا ہے کہ مسلمان عورتوں پر حملہ کریں۔ آپ نے فرمایا ان عورتوں کو فوراً فلاں جگہ پر جمع کر دو۔ اُس وقت آپ کا لشکر کُل بارہ سَو کا تھا۔ مگر آپ نے فرمایا سات سَو آدمی میرے پاس رہنے دو اور پانچ سَو آدمی عورتوں کی حفاظت کے لیے لے جاؤ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے احسان کے ساتھ فتح دے دی۔ مگر اُس وقت جو آپؐ نے مسلمانوں کے لیے قربانی کی وہ بہت بڑی تھی کہ پانچ سَو کا لشکر عورتوں کی حفاظت کے لیے بھیج دیا اور صرف سات سَو کا لشکر اپنے پاس رہنے دیا۔ صحابہؓ نے کہا کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہ! یہ لشکر تو بہت تھوڑا ہے۔ آپؐ نے فرمایا مسلمان دلیر ہوتے ہیں۔

اِس لیے وہ تھوڑے بھی زیادہ ہیں۔تم عورتوں کی حفاظت کرو۔ چنانچہ صحابہؓ نے آپ کی اس محبت کو محسوس کیا اورغزوہ احزاب میں اِس دلیری سے مقابلہ کیا کہ دشمن کے اوسان خطا ہو گئے۔6

میور جو بڑا بھاری عیسائی مصنف ہے اورکسی زمانہ میں یو۔پی کا گورنر بھی رہ چکا ہے۔اُس نے اسلام پرایک کتاب لکھی ہے۔اس نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ لوگ حیران ہوتے ہیں کہ جنگ احزاب میں کُفّار کالشکرتو چودہ ہزار تھااور مسلمانوں کالشکر صرف بارہ سَو تھا۔پھر بات کیا ہوئی کہ کافر ہار گئے اور مسلمان جیت گئے؟ وہ کہتا ہے کہ میں نے اس پرغور کیا تو یہ بات میری سمجھ میں آ گئی۔اس نے لکھا ہے کہ غزوہ احزاب کے موقع پر کُفّار کے بڑے سے بڑے سردارلوگوں کو جوش دلانے کے لیے کہتے تھے کہ جولوگ خندق پار کر کے حملہ کریں گے ہم انہیں اپنی بیٹی دے دیں گے اپنا گھوڑا دے دیں گے،اپنی تلواریں دے دیں گے۔ چنانچہ کئی دفعہ دشمن کے سردار خندق کو پار کرنے میں کامیاب بھی ہو گئے مگراُن سے غلطی یہ ہوئی کہ جب خندق میں رستہ بن جاتا اور کافر سردار کُود کر دوسری طرف چلے جاتے تو وہ سیدھے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کی طرف چلے جاتے۔اگر وہ یہ غلطی نہ کرتے تو ضرور جیت جاتے۔کیونکہ جب وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کی طرف جاتے تھے تو مسلمان پاگلوں کی طرح خیمہ کے گرد اکٹھے ہو جاتے تھے اور ایسی دلیری سے لڑتے تھے کہ بعض دفعہ کُفّار ڈر کے مارے خندق میں کُود گئے اور اُن کی گردنیں ٹوٹ گئیں۔وہ گئے تو مسلمانوں سے لڑنے کے لیے تھے لیکن جب خندق کے پاس لَوٹ کر آئے تو اتنے گھبرائے کہ انہوں نے خندق میں چھلانگیں ماردیں اوروہ مارے گئے۔وہ لکھتا ہے کہ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہؓ کا عشق ہی تھا جس کی وجہ سے کُفّار کوشکست ہوئی۔اگران کے دلوں میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق نہ ہوتا تو وہ کبھی کامیاب نہ ہو سکتے۔

اب دیکھو! صحابہؓ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت کو سمجھ لیا۔مگر افسوس ہے کہ باوجود اِس کے کہ اب ظاہری لڑائیاں نہیں ہیں صرف روحانی لڑائیاں لڑنی پڑتی ہیں پھر بھی ہم کمزوری دکھاتے ہیں اور ہمارے بھائی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی اشاعت سے جن میں ان کے اپنے بچوں کی زندگی ہے،ان کی بیویوں کی زندگی ہے،ان کے پوتوں پڑپوتوں کی زندگی ہے بلکہ ان کی اپنی زندگی ہے غفلت کر جاتے ہیں۔مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہؓ نے یہ قربانی کی

کہ انہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے اپنی جانیں تک لڑا دیں اور کہا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیاری چیز اَور کوئی نہیں۔ ہم دشمن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ تک نہیں جانے دیں گے۔ تو دیکھو! یہ قربانی ہے جو صحابہؓ نے کی۔ مگر اِس کے مقابلہ میں اب روحانی تبلیغ کا کام ہے۔ اِس میں نہ اپنی جان جاتی ہے نہ بیوی کی جان جاتی ہے اور نہ بیٹوں کی جان جاتی ہے پھر بھی ہم سُستی کر جاتے ہیں۔ اِس غفلت کی ہم کو اصلاح کرنی چاہیے اور ایسا رویہ اختیار کرنا چاہیے کہ ہم صحابہؓ کا نمونہ بن جائیں اور ان کی نقل میں خدا تعالیٰ ہمیں اس ثواب میں شریک کر لے جو اُس نے صحابہؓ کو دیا ہے"۔ (الفضل 12 نومبر 1957ء)

1: التوبة: 128

2: الشعراء: 4

3: درثمین فارسی صفحہ 147 ضیاء الاسلام ربوہ

4: صحیح بخاری کتاب التهجد باب قیام النبیؐ الّیل

5: بخاری کتاب الجهاد باب اذا فَزِ عُوْا بِالَّيْلِ

6: السیرة الحلبیة جلد 2 صفحہ 349، 350 مطبوعہ مصر 1935ء